جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

از: انواراحمد قاسمی مبارکپوری
استاذ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

امّ المدارس دارالعلوم دیوبند نے تبلیغ وارشاد، دعوت واصلاح، جہد وعمل اور تعلیم وتربیت کے میدان میں جو باکمال افراد پیدا کیے ہیں، ان میں ایک روشن نام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید، بزرگوں واکابر کے منظورِ نظر، عوام وخواص میں بے حد مقبول ومحترم شخصیت، جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ کا ہے جو مورخہ ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ = ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ مولانا ان علماء ربّانین میں تھے جو علم وفضل، صلاح وتقویٰ، اعتدال ونرم روی اور دینی غیرت وحمیت میں ممتاز مقام کے ساتھ امت کی اصلاح وترقی اور مسلمانوں میں دینی روح پھونکنے کے لیے ساری زندگی مصروف عمل رہے۔

پیدائش

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ صوبۂ مہاراشٹر کے خطۂ کوکن — جو ممبئی سے متصل ساحلی پٹی کے چار اضلاع ضلع تھانہ، رائے گڈھ (قدیم نام قلابہ) رتنا گیری اور سندھو درگ پر مشتمل ہے — کے ضلع رائے گڈھ کی تاریخی بستی میندری میں ۲۶/شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ = ۶/جنوری ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ سادات سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب ۳۳ واسطوں سے حضرت حسینؓ سے جاملتا ہے۔

تعلیم وتربیت

والدِ محترم کا سایۂ رحمت کم عمری میں اٹھ گیا تھا، دادا مرحوم کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم چوتھی

جماعت تک گاؤں کے اسکول میں حاصل کی ،اس دورافتادہ علاقے میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا، دین سے عموماً دوری تھی اور ناواقفیت کی وجہ سے بدعات وخرافات کو اصل دین سمجھا جاتا تھا، پس دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ کو جامعہ حسینیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، آپ راندیر گجرات کے لیے روانہ ہوگئے، علم کو حاصل کرنے کی لگن اور تڑپ نے مولانا کو مسلسل چار سال وہیں رہنے اور تعطیلات میں بھی گھر نہ آنے پر آمادہ کیا۔ جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم مولانا محمد سعید راندیریؒ جو بڑے جلالی شان کے مہتمم تھے، مولانا سے بے حد محبت فرماتے تھے، گھر سے آپ کے لیے روٹی اور کھانا چپکے سے لاتے اور کھلاتے ، اس کے بعد مدرسہ انوارالعلوم احمد آباد میں ایک سال رہے، اس دوران دو سال کی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

پھر آپ آگے کی تعلیم کے لیے رشد وہدایت کی عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا کی خوش نصیبی کہ انھوں نے وہاں ایسے اساطینِ علم فضل سے اکتسابِ فیض کیا جو زہدوتقوی، رسوخ فی العلم سے لے کر دین وملت کے لیے جہدوعمل اور جاں نثاری وسرفروشی کی اعلیٰ مثال تھے۔ دورۂ حدیث میں آپ نے صحیح بخاری شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے، صحیح مسلم امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے، سنن ترمذی، سنن ابوداود اور شمائل ترمذی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے، سنن نسائی، طحاوی اور موطا امام مالک حضرت مولانا فخر الحسنؒ سے، موطا امام محمد حضرت مولانا محمد جلیلؒ سے اور ابن ماجہ حضرت مولانا ظہور احمدؒ سے پڑھیں۔ آپ ۱۳۷۳ھ=۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور دورۂ حدیث میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

اساتذہ کی شفقت

آپ ایک ذی استعداد اور نیک وصالح طالب علم تھے اور غیر سنجیدہ حرکات، لہو ولعب اور خرافات ولغویات سے پاک تھے، علم کی نافعیت اور عمل کی صالحیت حاصل کرنے کی دھن تھی، اس لیے مشفق اساتذہ کی توجہات آپ پر تھیں، آپ کو حضرت مدنی قدس سرہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی اور حضرت مدنی کی آپ پر شفقتیں وعنایتیں بے پایاں! آپ حضرت مدنی کی خدمت میں

حاضر ہوتے اور علمی وروحانی استفادہ کرتے، حضرت مدنی عمر کے اخیر حصے میں خطۂ کوکن میں رشدو ہدایت پھیلانے کے لیے تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ یہاں سادات کی ایک بستی 'میندری' ہے تو حضرت مدنیؒ وہاں تشریف لے گئے، مولانا اس وقت دارالعلوم میں زیرِ تعلیم تھے، حضرت مدنیؒ نے واپسی پر فرمایا کہ میں تمہارے گاؤں گیا تھا۔ حضرت مدنیؒ کو یہاں کے چمپا کا پھول بڑا پسند آیا تو جب مولانا گھر آئے تو چمپا کا پھول سرکہ میں ڈال کر لے گئے اور حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پیش کیا، جو حضرت مدنیؒ کی حیات تک تازہ رہا۔ مولانا اس خطہ میں حضرت مدنیؒ کی آمد کے واقعات خوب مزے لے لے کر سناتے، حضرت مدنیؒ کا نام وتذکرہ اوران کے مجاہدانہ واقعات کی داستان مولانا کی زبان سے سنتے تو کچھ اور ہی لطف آتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادے سے آپ کا بے حد خلوص ومحبت پر مبنی تعلق تھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور خانوادہ کے دیگر افراد کا بڑا احترام واکرام فرماتے تھے۔

میدانِ عمل میں

مولانا نے فراغت کے بعد ایک سال تک گاؤں میں رہ کر دین کی خدمات انجام دیں اور لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، پھر جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام محمد خطیب صاحب کے ایماء پر بنگالی پورہ مسجد بمبئی میں ایک سال امامت کی خدمت انجام دی۔

تدریس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مولانا کی استعداد وصلاحیت اعلیٰ درجہ کی تھی، وہیں صلاح وتقوی میں بھی ممتاز تھے، پس تقدیرِ الٰہی آپ کو تدریس کے لیے گجرات کے مشہور تعلیمی ادارے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی علمی فضا میں لے گئی، وہاں مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت کی فکریں کیں اور بڑے خلوص ومستعدی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں، مولانا کا طلبہ میں ایک مقام تھا کئی واقعات شاہد ہیں کہ طلبہ مولانا کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علم واخلاص کا یہ ستارہ بہت ترقی کرے گا اور درس وتدریس کی اعلی مسندوں کو زینت بخشے گا کہ اچانک جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام محمد خطیب نے مہتمم جامعہ کے نام بار بار خط لکھا،

پھر تار دیا کہ ڈابھیل سے مولانا کو بھیج دیا جائے، تو مہتمم صاحب نے بادلِ ناخواستہ اجازت دی، آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تاریخ کے مطابق شوال ۱۳۷۹ھ سے ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل: ۴۳۲)

امامت وخطابت جامع مسجد بمبئی

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بعد جامع مسجد بمبئی میں ۷۵/روپے تنخواہ پر امامت کی ذمہ داری سنبھالی اور اسی کے ساتھ مدرسہ محمدیہ میں عربی استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ بھی تدریس میں آپ کے رفیق تھے۔

مولانا نے تقریباً ۵۲/سال اس شان ووقار کے ساتھ امامت کی کہ آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، لوگوں کے دلوں میں آپ کی جو عظمت ومحبت تھی، وہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ اس منصب پر رہتے ہوئے اپنے کردار وعمل کے ذریعہ عوام وخواص ہر ایک کے لیے نمونۂ عمل بنے اور نازک سے نازک موقع پر بھی اشتعال وجذباتیت سے ہٹ کر صالح فکر کے ساتھ امت کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ خطبات موقع ومحل اور حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے تیار کرتے تھے۔ جب سلمان رشدی کا فتنہ اٹھا اور امت کی فکری بنیادوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا، تو آپ نے مسلسل ۵۲/خطبات صحابۂ کرامؓ کی عظمت وفضیلت پر دیے جو علم وفضل کا شاہکار ہیں۔ آپ کے خطبات مختصر وقت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ہوتے، وقت کا اتنا خیال رکھتے کہ مقررہ وقت کے اندر ہی نماز وخطبات ختم ہوجاتے۔ کتنے ہی لوگ دور دراز سے سفر کرکے صرف مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے، عرب حضرات بھی جو بمبئی میں تجارت وعلاج وغیرہ کی غرض سے آتے نماز میں شریک ہوتے۔ حضرات شیوخ الازہر، شاہ فیصل، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ عائض القرنی اور بھی بہت سے عرب علماء ومشائخ نے مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کی اور مولانا کے بلند مقام کے معترف ہوئے۔

نماز جمعہ میں حضرت مولانا جب خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو مصلیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد میں عجیب روحانی منظر ہوتا، ایک خطیب اسلامی عظمت ووقار کے ساتھ کھڑا ہوتا، اذان ہوتی پھر خطبہ شروع ہوجاتا، نماز کے بعد عربی خطبہ کا عمدہ انداز میں ترجمہ پیش فرماتے اور اگر کوئی نکاح ہوتا تو خطبۂ نکاح پڑھتے، پھر ملاقات کرنے والوں کا

ایک ہجوم ہوتا جو مولانا سے مصافحہ کرنے کے لیے قطار میں کھڑا ہوجاتا، مصلیوں کا مرکز عقیدت مولانا کی ذات گرامی ہوتی، وہ بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مولانا سے مصافحہ کرتے، مجمع کبھی اتنا زیادہ ہوتا کہ اس عمل میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا؛ لیکن مولانا ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ وملاقات کرتے تھے۔

اجازت وخلافت

احسان وتصوف دین کا ایک حصہ ہے، مولانا اس درس گاہ کے فیض یافتہ تھے جہاں ایک وقت شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک بھی صاحب نسبت بزرگ ہوا کرتے تھے، مولانا کا اصلاحی تعلق فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے تھا، حضرت مفتی صاحب نے آپ کو چند دنوں کے لیے دارالعلوم دیوبند بلایا اور اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ مفتی فاروق صاحب میرٹھیؒ نے حضرت مفتی صاحب کے خلفاء کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، جس میں حضرت مولانا شوکت صاحب کا نام چالیسویں نمبر پر ہے۔ (حیات محمود: ۲/۴۴۹) پھر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت مرحمت فرمائی؛ لیکن حضرت مولانا اپنے آپ کو چھپاتے تھے اور ظاہر نہ فرماتے تھے کہ آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہے۔

اکابر علماء سے تعلق

بمبئی کو یہ فخر ہے کہ یہاں اکابر اہل اللہ مختلف وجوہات کی بنا پر تشریف لاتے رہے ہیں اور بمبئی کو ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے، مولانا کو اپنے بزرگوں سے بڑی گہری وابستگی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوری، مولانا عبدالشکور فاروقی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا احمد علی آسامی، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، مولانا قاری صدیق احمد باندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا ابرارالحق ہردوئی، مولانا قاری امیر حسن ہردوئی رحمہم اللہ اور دیگر بزرگوں سے بڑے اعتماد ومحبت کا تعلق تھا۔ آپ اپنی صالحیت و صلاحیت کی وجہ سے اکابر کے منظورِ نظر رہے۔ معاصر اکابر سے بھی بڑے اچھے روابط تھے اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن سے تعلق

خطۂ کوکن میں ایک زمانے میں شرک و بدعات کا دور دورہ تھا، لوگ دین سے اتنے دور ہوچکے تھے کہ بدعات وخرافات کے لیے مرنے مارنے پر تُل جاتے تھے، اس علاقہ میں کوئی مدرسہ نہ تھا، عالم اور حافظ بمشکل چند تھے؛ لیکن حق تعالیٰ کو ایک بار پھر اس خطہ سے دین کی ہوائیں چلانی تھیں اور اس علاقہ کو دین سے معمور کرنا تھا، چناں چہ تقدیرِ الٰہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خطہ میں آمد ہوئی، اس وقت ان کے وعظ وارشاد کی روشنی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہورہا تھا، عمر کے آخری حصہ میں حضرتؒ کا کوکن جیسے دور دراز خطہ میں جہاں سڑکیں نہیں تھی، اونچے نیچے، دشوار گزار پہاڑی راستوں پر بیل گاڑیوں کا سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن حق تعالیٰ نے انھیں اخلاص وللّٰہیت، دین کی تڑپ اور دین کے لیے قربانی و سرفروشی کے عظیم جذبہ سے نوازا تھا، جس کے سامنے پہاڑ بھی رائی ہوجاتے تھے۔

حضرت مدنیؒ تشریف لائے اور یہاں کے لوگوں کو سنت و شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحت فرمائی اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم عام کرنے اور داڑھی رکھنے پر خاص زور دیا۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری بھی اس سفر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھے، وہ رودادِ سفر میں لکھتے ہیں: ''راقم بھی قافلہ کے ساتھ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وروحانیت کی بارات نکل رہی ہے، اس دن جہاز مدرسہ اور خانقاہ معلوم ہوتا تھا، کوکن اور بمبئی کے متوسلین ومعتقدین ہم سفر تھے، جہاز کا پورا عملہ ہمہ تن خدمت بنا ہوا تھا، حضرت مولانا نے اس سفر میں قرآن کی تعلیم عام کرنے اور شکل وصورت شرعی بنانے پر بے حد زور دیا تھا اور ان کا پورا وعظ اسی موضوع پر ہوا تھا۔'' (قاضی اطہر مبارکپوری کے سفرنامے: ۲۲۲) خدا جانے حضرت مدنیؒ کا کیسا اخلاص رہا ہوگا، کیسی دین کی تڑپ رہی ہوگی کہ ان کی آمد سے علاقے کے حالات بدل گئے، جہالت وبدعات کا دور ختم ہوا اور علمِ دین کی روشنی گھر گھر پہنچنے لگی۔

جمعہ کا دن تھا، شریوردھن میں فجر کی نماز میں امام صاحب نے سورۂ سجدہ کی تلاوت نہیں فرمائی، حضرت مدنیؒ نے نماز کے بعد سوال کیا کہ یہاں کتنے عالم ہیں؟ جواب ملا: یہاں کوئی عالم اور حافظ نہیں ہے، حضرت والا نے اپنے خاص انداز میں فرمایا: ''یہاں مدرسہ کی بنیاد ڈالو، مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔'' ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ مقبولیت کی گھڑی تھی، ایک اللہ والے کے دل سے نکلے ہوئے الفاظ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئے اور ایک دینی مدرسہ کے قیام کی راہیں ہموار ہونے لگیں، حضرت مدنی سے اصلاحی تعلق رکھنے والے جناب حاجی عبدالرحیم صاحب بروڈؒ رمضان گزارنے کے لیے دیوبند جاتے تھے، وہیں حضرت مدنیؒ کے دولت کدے پر اس مدرسہ کے تعلق سے مشورہ ہوا اور پھر اس خطہ کی اولیں اسلامی درس گاہ کی بنیاد رکھی گئی اور حضرت مدنیؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام ''مدرسہ حسینیہ عربیہ'' رکھا گیا۔

یہ مدرسہ مولانا کے شیخ و مربی کی یادگار بھی تھا اور وطنی نسبت و تعلق کا حامل بھی؛ اس لیے ابتداء ہی سے مولانا کو اس مدرسہ سے تعلق رہا اور یہ تعلق ومحبت اتنا بڑھا کہ مولانا کا نام ہی اس کا تعارف بن گیا تھا، بہت سارے لوگ مدرسہ کا نام لینے کے بجائے اسے مولانا شوکت صاحب کا مدرسہ کہتے تھے۔ مولانا منصبِ امامت کی وجہ سے گرچہ بمبئی میں رہتے تھے؛ لیکن مدرسہ کے حالات اور تعلیمی سرگرمیوں سے باخبر اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لیے فکرمند........ اکابر اہل اللہ کی توجہات اور مولانا کی فکروں کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مدرسہ اس پورے علاقے میں فقہ شافعی کا مرکزی جامعہ بن چکا ہے، جہاں ناظرۂ قرآن سے لے کر تخصصات تک تعلیم ہورہی ہے، نیز دارالافتاء و دارالقضاء بھی فقہ شافعی کے مطابق خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں کیرالا، تامل ناڈو، مہاراشٹر وحیدرآباد اور دیگر علاقوں کے طلبہ فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔

مولانا کو جامعہ حسینیہ، اس کے اساتذہ وطلبہ اور اس کے درودیوار سے حد سے زیادہ محبت تھی، جب تک قویٰ مضبوط تھے، جامعہ میں بڑی کثرت سے تشریف لاتے، دوتین دن قیام فرماتے جب بھی گھر آتے تو جامعہ میں ضرور تشریف لاتے، صحت کے ایام میں تو ابھی شام میں گھر پہنچے کہ دوسرے دن صبح جامعہ میں موجود۔ مولانا کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ جب سکون کی تلاش ہوتی ہے تو ہم جامعہ میں آتے ہیں۔ جب جامعہ میں تشریف لاتے تو عید کا سماں ہوتا، ایسا محسوس ہوتا کہ اس کے درودیوار پر رونق و بہار آگئی ہو۔ ہر فرد کے چہرہ پر خوشی و رونق کے آثار ہوتے، اساتذہ ان کی خدمت میں حاضری کے لیے بے تاب تو طلبہ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے، ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ مولانا کی خدمت سے مستفید ہو۔ اساتذہ سے دفتر اور مہمان خانے میں ملاقات ہوتی، آپ ان کی بات سنتے اپنی بات کہتے، مزاحیہ اور ایسے برمحل جملے کہتے کہ پوری محفل زعفران زار ہوجاتی اور طلبہ سے انفرادی واجتماعی ملاقاتیں ہوتیں۔

سالہا سال سے جامعہ کے اجلاس آپ ہی کی سر پرستی میں منعقد ہوتے، آپ ان جلسوں میں پابندی سے تشریف لاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ چہرہ پرانوارِالٰہی کا خاص فیضان ہور ہا ہو، سب سامعین کی نگاہیں عقیدت ومحبت سے آپ کی طرف لگی رہتیں، جلسہ کے اخیر میں آپ مختصر الفاظ میں چند نصیحتیں کرتے جوآپ کی طرف سے ہرایک کے لیے پیغام بھی ہوتیں اوربیش قیمت سرمایۂ زندگی بھی۔

آپ کی خواہش تھی کہ مدرسہ کا ہر بچہ علم میں بھی مثالی ہواور تہذیب وشائستگی کا پیکر بھی، اس لیے بچوں کی مختلف پیرائے سے تربیت فرماتے۔ عموماً عصر کے بعد مجلس ہوتی، بیان مختصراور واقعی ما قلّ و دلّ کا مصداق ہوتا، ظرافت آمیز انداز میں طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت فرماتے، طلبہ سے سوالات پوچھتے، علم وعمل کے گہرے نکتے بتاتے، کامیاب زندگی گزارنے کے آداب وطریقوں پر روشنی ڈالتے، سنتوں کی پابندی کی تنبیہ کرتے، صحابۂ کرامؓ واسلاف واکابر کے واقعات سناتے، اس کے پس منظر میں نصیحتیں کرتے، روتے بھی رُلاتے بھی، نبی کریم ﷺ کی موقع موقع سے بتائی ہوئی دعائیں یادکراتے۔ مولانا کی دل آویز شخصیت، بزرگی وعظمت اور پدرانہ شفقت ومحبت کی وجہ سے یہ باتیں بچوں کے دلوں میں سیدھے اتر جاتیں۔ مولانا کا حافظہ بھی غضب کا تھا، پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی ان کے حافظہ میں محفوظ ہوتا تھا کہ پچھلے بیان میں کیا باتیں ارشادفرمائیں تھیں۔

مولانا کا ایک بڑانایاب وصف محنتی اساتذہ وکارکنان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا، طلبہ کواساتذہ کی قدر کرنے اوران سے خوب استفادہ کرنے پرابھارتے، اسی طرح خود بچوں کے سامنے اساتذہ کی تعریف اورمختلف طریقوں سے حوصلہ افزائی کرتے جس سے اساتذہ اورزیادہ محنت و تندہی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے۔

اوصافِ حمیدہ

مولاناتواضع وانکساری، حلم و بردباری، اخلاص و بے لوثی، زہد واستغناء، اتباع سنت اورورع وتقویٰ میں اسلاف کی سچی یادگارتھے، آپ کودیکھ کرسلفِ صالحین کی یادتازہ ہوجاتی تھی، چہرے پرمعصومیت، درازقد، باوقارسراپا، گفتگومیں نرمی، برتاؤمیں شائستگی، عالمانہ متانت اورخوش طبعی ومحبت کی ادادلوں کوموہ لیتی تھیں۔

استغناء

مولاناخودداری واستغنا کاایک کامل نمونہ تھے۔ عروس البلادبمبئی، فلک بوس عمارتوں اور

تجارتی منڈیوں کی وجہ سے ہندوستان کا دل مانا جاتا ہے، مولانا جس علاقے میں رہتے تھے وہ بمبئی کا قلب ہے، ہرطرف تجارت گاہ اور مال و دولت کی ریل پیل ہے، صبح وشام دنیا کمانے کی گویا ایک ہوڑ مچی ہوئی ہے، ایسے ماحول میں دنیاوی چمک دمک سے صحیح سلامت دامن بچا کر نکل جانا ایک کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ مولانا نے ساری زندگی بمبئی میں گزاری؛ لیکن اس کی رنگینیاں کبھی آپ کو متاثر نہ کرسکیں، مولانا اگر دولت کے متلاشی ہوتے کروڑوں روپیہ ان کے بینک بیلنس کی صورت میں موجود ہوتا اور فلیٹ و جائیداد کی تفصیلات سنبھالنا مشکل؛ لیکن مولانا کی بے نفسی، بے ریائی اور مال و دولت سے بے اعتنائی اس حد تک تھی کہ وہاں اپنا ایک ذاتی گھر بھی نہ بنایا، مسجد ہی کے مکان میں رہے؛ حالانکہ آپ کے چاہنے والوں اور آپ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں کی کچھ کمی نہ تھی، لوگ پیش کش کرتے رہے؛ لیکن مولانا نے کبھی قبول نہ فرمایا۔

خشیت

خوف وخشیت میں مولانا کا وصف نرالا تھا، ابھی مولانا بذلہ سنجی وخوش طبعی کی کیفیت میں ہیں تو ابھی پل بھر میں خوف وخشیت کا جلوہ ہوجاتا اور رقت طاری ہوجاتی۔ جامعہ میں جب خطاب فرماتے تو بات بات پر آنکھیں چھلک پڑتیں، جلسہ میں قرآن کی تلاوت ہوتی اور مولانا کی آنکھیں آنسو برسانے لگتیں۔ اخیر زمانے میں خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا کہ قرآن کریم کی تلاوت ہورہی ہے اور مولانا کی آنکھیں چھلک رہی ہیں اور دل کی کیفیت آنکھوں کے ذریعہ باہر آرہی ہے، مقرر کا بیان جاری ہے، نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور اسلاف کے واقعات بیان ہورہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ مولانا کبھی خود کسی طالب علم سے فرمائش کرکے قرآن سنتے، ابھی گذشتہ سال مولانا کی طبیعت بہت خراب تھی؛ لیکن جب سنا کہ جامعہ میں تجوید وقراءات کا جلسہ ہے تو کہا کہ مجھے ضرور جانا ہے، تشریف لائے اور جامعہ کے مہمان خانہ میں چند لوگوں کی موجودگی میں جامعہ کے ایک فاضل سے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی، تلاوت شروع ہوئی اور ادھر مولانا پر گریہ طاری ہوا اور آپ دیر تک روتے رہے۔

(۲۶) مقبولیت ومحبوبیت

علم وعمل کی جامعیت، صلاح وتقویٰ کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے

نوازا تھا اور اس دیار میں مرجعِ خلائق کی حیثیت رکھتے تھے، ہر طبقہ اور ہر مسلک والے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کا ادب واحترام کرتے تھے، دنیادار طبقہ بھی آپ کے قدموں میں گرتا تھا، لوگ آپ کے پاس اپنے معاشرتی، تجارتی مسائل حل کرنے کے لیے لاتے اور مولانا کا فیصلہ ان کے لیے حرفِ آخر ہوتا۔ اکابر وعلماء بھی مولانا سے بڑی محبت رکھتے تھے اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا شوکت صاحب مدظلہم اس وقت بمبئی میں سب سے زیادہ معمر بزرگ ہیں جن پر علاقے کے تمام مسلمان اعتماد کرتے ہیں۔ آج کل وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوچکے ہیں، ہمارا خیال تھا کہ عصر کی نماز ان کی مسجد میں پڑھ کر ان کی زیارت اور عیادت کی سعادت حاصل کریں گے؛ لیکن ہجوم کی وجہ سے ہمیں نکلنے میں دیر ہوئی، اور جماعت ہوٹل ہی میں کرنی پڑی۔ نماز کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہمارے آنے کی خبر سن کر بذات خود ہوٹل کی نچلی منزل میں تشریف لاچکے ہیں......۔ (سفر درسفر: ۳۰۰)

یہ حضرت مولانا کی برکت تھی کہ اس دشوار گذار کوہ ودمن میں بزرگانِ دین اور علماء واکابر کی آمد ہوتی رہتی تھی، پچھلے دوسالوں میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا یوسف متالا صاحب، مولانا محمد ابراہیم پانڈور، مولانا مفتی احمد خانپوری، مولانا عبدالرزاق بھوپال، مولانا محمد سلمان مظاہر علوم سہارنپور، مولانا عبدالعلیم فاروقی، مولانا محمود مدنی، مولانا بدرالدین اجمل، مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل دامت برکاتہم العالیہ اور نہ جانے کتنے علماء واکابر حضرت مولانا کی عیادت وملاقات کے لیے ''میندری'' تشریف لاتے رہے، اس بہانے ان میں سے اکثر کی جامعہ حسینیہ میں بھی آمد ہوتی، ان حضرات کی ملاقات اور ان کی زیارت ہم سب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس سے دیدہ ودل شاداب ہوتے تھے۔

مولانا کی وفات امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اللّٰھم اغفرله وارحمه وأدخله الجنة. آمین

❁ ❁ ❁